اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ○ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ○ (فاطر:17-15)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

احسانات خداوندی:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اے انسانو! اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (فاطر:-15) اور وہ غنی ہے جس کی تعریف کی گئی ہے۔یعنی عظمتوں والا کبریائی والا اور شان والا ہے۔وہ پروردگار جس نے تمہیں زندگی کی سب نعمتیں عطا فرمائیں،جس نے تم پر بارش کے قطروں سے بھی زیادہ احسانات فرمائے۔تمہارے جسم کا انگ انگ اس مالک وخالق کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے۔

لوگو! اپنی حقیقت کو پہچانو۔اگر پھر بھی اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکو گے اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وہ چاہے تو تمہیں لے جائے،تمہیں مٹا دے،ختم کر دے اور تذکروں میں تمہارا تذکرہ بھی باقی نہ رہے۔کبھی قصوں اور کہانیوں میں بھی تمہیں یاد نہ کیا جائے۔وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اور ایک نئی مخلوق کو تمہاری جگہ پیدا کر دے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (فاطر:17-16) اور اللہ پر یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

خاک کی عظمت:

ہم بندے ہیں اور بندگی ہی اچھی لگتی ہے۔خاکی النسل ہیں لہذا خاکی النسل بن کر زندگی گزار دیں۔جبکہ شیطان ہمیں آتشی النسل بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے خاک (مٹی) پاؤں کے نیچے رہے تو ہر

بندہ پسند کرتا ہے۔ اگر پاؤں کے نیچے سے اڑ کر کپڑوں پر آ گرے تو لوگ فوراً جھاڑ دیتے ہیں۔ چہرے پر آ پڑے تو بھی لوگ فوراً دھو دیتے ہیں لہذا خاک کو عاجزی ہی زیبا ہے۔ جب تک یہ پاؤں کے نیچے رہے اس وقت تک اس کی عظمت ہے، قدر ہے اور جب یہ نیچے سے اوپر ہونے کی کوشش کرتی ہے تو ہر بندہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اسے مٹانے کی کوشش کرتا ہے بالکل اسی طرح جو انسان آتشی النسل بن کر آگ کے شراروں کی طرح اونچا اٹھنا چاہتا ہے پروردگار عالم اس کا نام ونشان مٹا دیتے ہیں۔

تصوف کسے کہتے ہیں:

تصوف کشف کے حاصل ہونے کا نام نہیں، رنگ دیکھنے کا نام نہیں، دل کی حرکت حاصل ہونے کا نام نہیں، خلاف عادت واقعات پیش آنے کا نام نہیں، آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم ہونے کا نام نہیں، مقدموں کے فتح ہونے کا نام نہیں، دعاؤں کے قبول ہونے کا نام نہیں، کیونکہ دعا تو شیطان کی بھی قبول ہوگئی تھی، نماز اور تلاوت کے اندر کچھ خاص کیفیات محسوس ہونے کا نام نہیں بلکہ تصوف اپنے آپ کو مٹا دینے کا دوسرا نام ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ نے ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ سے پوچھا کہ حضرت! تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تصوف اپنے کو مٹا دینے کا دوسرا نام ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اپنی ''میں'' کو مٹالو:

میرے دوستو! اپنی میں کو مٹا لو۔ یاد رکھنا کہ جو اپنی میں کو نہیں مٹاتا پھر اللہ تعالیٰ خود اس کی میں کو مٹاتے ہیں اور جس کی میں کو اللہ مٹاتا ہے پھر اس کا تماشا دنیا دیکھتی ہے۔ اس سے پہلے کہ اللہ ہماری ''میں'' کو توڑ دے ہم اپنی ''میں'' کو خود توڑ لیں۔ اسے کہتے ہیں نفس کو مٹانا۔

تصوف کی بنیاد:

اپنے نفس کو مٹا دینے والی یہ نعمت اوپر سے چلی آرہی ہے۔آج لوگ پوچھتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد کہاں؟ بھئی یہ اپنے آپ کو مٹا دینا،نفس میں عجب اور تکبر جیسی بیماریوں کو ختم کرنا ہی تو تصوف ہے اور یہ تعلیمات تو ہمیں صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین سے ملتی ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی عاجزی:

اپنے آپ کو مٹانے کی بہترین مثال تو صدیق اکبرؓ کی زندگی میں ملتی ہے۔محبوب دو عالم ﷺ ان کو صدیقیت کی بشارت دیتے ہیں۔عشرہ مبشرہ میں ان کے تذکرے فرماتے ہیں۔احد سے کہتے ہیں کہ احد! کیوں ہلتا ہے؟ تیرے اوپر صدیق ہے۔اپنی حیات مبارکہ میں ان کو مصلے پر کھڑا فرماتے ہیں، ہجرت کے وقت رفیق سفر بناتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود صدیق اکبرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب اپنے آپ پر نظر ڈالتے تو کانپ اٹھتے ،رو پڑتے اور رو رو کر کہتے ،کاش! میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا،کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا،کاش! میں کوئی پرندہ ہوتا،کاش! میں گھاس کا کوئی تنکا ہوتا جسے کوئی جانور ہی کھا لیتا۔

ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قُحَافَۃَ

(کہ جو شخص چاہے کہ زمین کے اوپر چلتی ہوئی کسی لاش کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر صدیق کو دیکھ لے)

سبحان اللہ پھر اللہ رب العزت نے ان کو غار میں اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبہ:40) کی بشارتیں دیں۔کیونکہ

خواہشات ختم ہوگئی تھیں، ہوائے نفسانی کا نام ونشان نہ رہا تھا، حقیقت انسانیت نصیب ہو چکی تھی۔ وہ زندہ تو تھے مگر دنیا میں نہیں تھے بلکہ ان کے دل ودماغ عرش کے اوپر پہنچے ہوئے ہوتے تھے۔

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی عاجزی:

سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے اپنے آپ کو کیسے مٹایا؟ ایک مرتبہ کسی جہاد سے مال غنیمت آیا۔ قیدی بھی آئے۔ آپ نے دیکھا تو خوش ہوئے۔ اس کے بعد لوگوں سے کہا' ذرا منبر کے قریب ہو جاؤ۔ لوگ منبر کے قریب ہو گئے۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنے آپ کو کہا'' عمر! تو وہی تو ہے جس کی ماں خشک گوشت چبایا کرتی تھی'' عرب میں یہ غربت کی علامت ہوتی تھی کہ جن کو کھانے کا کچھ وافر حصہ میسر نہیں ہوتا تھا وہ بھوک کی شدت کی وجہ سے خشک گوشت چبایا کرتے تھے۔

یہ بات کہہ کر حضرت عمرؓ منبر سے نیچے اتر گئے۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ ہمیں امیر المومنین نے اکٹھا کیا تھا تو کیا یہی کچھ کہنا تھا۔ بعد میں انھوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا' حضرت! آپ نے اتنے لوگوں کو اکٹھا بھی کیا کہ بات سنو اور کوئی خاص بات بھی نہیں کی بس یہی کہا کہ عمر! تو اس ماں کا بیٹا ہے جو خشک گوشت چبایا کرتی تھی، آخر کیا وجہ ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا، جب قیدی آئے اور مال غنیمت بھی آیا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ عمر! اللہ نے تجھے کیا ہی شان دی ہے کہ تیرے زمانے میں اسلام کو فتوحات ہو رہی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے نفس کے اندر کہیں عجب پیدا نہ ہو جائے۔ میں نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ سارے لوگوں کو بلا کر ایک ایسی بات کہہ دی جس نے میرے اندر سے خود پسندی کو ختم کر کے رکھ دیا۔

سبحان اللہ! وہ اپنے نفس کو یوں پامال کرتے تھے۔ ادھر نفس کے اژدھا نے سر اٹھانے کی کوشش کی ادھر انھوں نے اس کے سر پر چوٹ لگائی ۔ بس ذرا سی بات پر نفس کو دوا پلا دیتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ حضرات اپنے نفس پر ہر وقت نگاہ رکھا کرتے تھے۔

عجب مہلک ترین مرض ہے:

حدیث پاک میں کچھ مہلکات (ہلاک کر دینے والی) اور کچھ منجیات (نجات دینے والی) باتیں بتائی گئی ہیں ۔ مہلکات میں ایک بڑی چیز جو انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے وہ عجب ہے ۔اسی لیے فرمایا وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ (جزء البغوی ص ۷۰ ح ۳۳) اور انسان کا اپنے نفس کے اندر عجب پیدا کر لینا اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ آج ہم سب اس کے مریض ہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ ،عجب اور تکبر کو تو ہم برائی ہی نہیں سمجھتے ۔ہمیں تو ہر وقت "میں" دکھانے کی فکر رہتی ہے۔

تین زمانے:

ایک وہ زمانہ تھا جب حضرات کچھ عمل کرتے تھے اور اسے چھپا لیتے تھے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ عمل کرتے تھے اور بتا دیتے تھے ۔اور آج وہ زمانہ ہے عمل کرتے بھی نہیں اور بتاتے بھی پھرتے ہیں کہ جی میرا ارادہ حج کرنے کا ہے، جی میرا ارادہ کتاب لکھنے کا ہے، جی میرا ارادہ ایک مدرسہ بنانے کا ہے۔ ابھی ذہنوں میں سوچ ہوتی ہے اور تشہیر پہلے ہی کر رہے ہوتے ہیں تا کہ لوگ اس کا تذکرہ آگے کریں اور ہمارا نفس موٹا ہو۔ ہم نفس کو پالنے میں مشغول ہیں اور نفس ہمیں جہنم میں دھکا دینے میں مشغول ہے۔ ہمارا بنے گا کیا؟

حضرت عمرؓ کے فضائل:

سیدنا عمرؓ ابن الخطاب نے سرکار دو عالم ﷺ کی زبان مبارک سے بشارتیں پائیں ۔سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا ہی شان عطا فرمائی تھی کہ کئی مرتبہ ان کی سوچ وحی الٰہی کے مطابق نکلی ۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کی سوچ پر وحی الٰہی اتری بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کئی مرتبہ ان کی سوچ وحی الٰہی کے بالکل مطابق نکلی

ان کے بارے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِیْ نَبِیًّا لَكَانَ عُمَرُ (سنن الترمذی ص۶۱۹ ح۳۶۸۶) اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔ فرمایا اِنَّ الْحَقَّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ (فتح الباری ص۴۸۱ ح۸۲) عمرؓ کی زبان پر حق بولتا ہے فرمایا، عمرؓ جس راستے پر گزر جاتا ہے شیطان اس راستے کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی عاجزانہ دعا:

جن کے بارے میں زبان نبوت ﷺ سے اتنے فضائل بیان کروائے گئے، وہ تہجد کے اوقات میں پروردگار عالم کے سامنے اپنی راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے اپنے دل کی کیفیات کیسے کھولتے تھے

اس وقت پروردگار عالم کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ایسی دعا مانگتے تھے جو میرے اور آپ کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَيْنِیْ صَغِيْرًا وَّفِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا (جامع الاحادیث ص۱۰۳ ح۴۸۰۱) اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دے اور مخلوق کی نظر میں بڑا بنا دے۔ اس لئے کہ جب کوئی مخلوق کی نظر میں بڑا ہوگا تو اس کے لئے دعوت وارشاد کا دروازہ کھل جائے گا اور اگر لوگ ہی کسی کو حقیر سمجھیں گے تو وہ دینی فائدہ بھی نہیں اٹھا پائیں گے۔ آپ نے اس لئے بھی یہ دعا مانگی کہ نفس کہیں پھولنے نہ پائے۔ یہی تصوف ہے۔

ہماری حالت زار:

ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنی نظر میں بادشاہ بنے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جی کرنا تو وہ ہے جو اپنی مرضی میں آئے گا۔ بھئی! اب شریعت کہاں گئی؟ کہنے والے ہیں کون؟ صوفی صاحب۔ گھر میں بیوی سے جھگڑا ہو تو کہتا ہے، میں وہ کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے جھگڑا ہو جائے تو کہتا

ہے جی میں وہ کروں گا جو میری مرضی میں آئے گا۔ بھئی جب تک یہ ہماری اور میری والے الفاظ نہیں چھوٹیں گے تب تک ہمیں اپنی اصلیت نصیب نہیں ہوگی، تب تک ہمیں تصوف کی حقیقت حاصل نہیں ہوگی

حضرت عمرؓ کی عاجزی کا ایک اور واقعہ:

اللہ تعالی نے حضرت عمرؓ کو اتنے بلند مقامات نصیب فرمائے تھے۔ اس کے باوجود اپنے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ سے پوچھا، حذیفہ! مجھے یہ تو پتہ ہے کہ تمہیں نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے منافقین کے نام بتادیئے تھے۔ میں آپ سے منافقین کے نام تو نہیں پوچھتا بس اتنی بات پوچھتا ہوں کہ کہیں عمرؓ کا نام تو ان منافقین میں شامل نہیں ہے۔ اگر ہم ہوتے تو ہم کہتے کہ ہم تو مراد مصطفیٰ ہیں، ہمارے لیے تو محبوب خدا دعائیں مانگتے تھے۔ دیکھیے تو سہی کہ جنہیں مانگ کر لیا گیا وہ پروردگار کے حضور اس طرح جھکتے تھے اور اپنے آپ پر اتنے محتاط رہتے تھے کہ پھر بھی پوچھتے تھے کہ کہیں عمرؓ کا نام تو ان میں شامل نہیں۔ کیا ہم نے کبھی ایسی نظر اپنی ذات پر ڈالی ہے؟ نہیں۔ بلکہ ہماری تو گردنیں تنی رہتی ہیں، آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہماری نگاہیں دوسروں کے چہروں پر پڑتی ہیں، ہمیں دوسروں کے عیب تو نظر آتے ہیں مگر اپنی حالت نظر نہیں آتی۔ کاش! یہ آنکھیں بند ہوتیں، یہ گردنیں جھک جاتیں اور یہ نگاہیں اپنے سینے پر پڑتیں کہ میرے اپنے اندر کیا عیب چھپے ہوئے ہیں۔ آج اس بات کی شدید کمی ہے۔

حضرت علیؓ کی عاجزی:

ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت علیؓ سے ملا۔ وہ تابعین میں سے تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کو نہ پہچانا کیونکہ مدینہ میں نو وارد تھا۔ لہذا اس نے پوچھا مَنْ اَنْتَ ؟ آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ میں نہیں ہوں مگر مسلمانوں میں سے ایک آدمی۔ میرے دوستو

!انہوں نے یہ نہ بتایا کہ میں داماد مصطفیٰ ہوں، میں خاتون جنت فاطمہ الزہراءؓ کا خاوند ہوں، میں سَيِّدُ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حسنؓ وحسینؓ کا جدامجد ہوں، میں باب العلم ہوں، مجھے اسداللہ الغالب کہا گیا میرے ہاتھ پر اللہ رب العزت نے خیبر فتح کروایا۔انہوں نے اپنے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہی۔ بلکہ اپنی ذات کی نفی کردی، اپنی شان کی نفی کردی، اپنے مقامات کی نفی کردی۔ جب ان اکابرین کا یہ حال تھا تو میں اور آپ کس کھیت کی گاجر مولی ہیں کہ ہم دعوے کرتے پھریں کہ ہمیں تو یہ کیفیت اور مقام حاصل ہے۔

عزازیل شیطان کیسے بنا؟

شیطان کو بھی اسی لئے پھٹکار پڑی۔ آپ بتایئے کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو کیا اس نے کوئی شراب پی ہوئی تھی کہ وہ اتنا مدہوش تھا۔اس کو کس چیز کا نشہ تھا۔اس نے مئے تکبر پی ہوئی تھی۔ اسے تکبر کا نشہ تھا۔وہ کہتا تھا, اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (الاعراف:12) کہ اس آدم سے تو میں اچھا ہوں۔اس نے "میں" کی شراب پی ہوئی تھی۔اس لئے پھٹکار دیا گیا۔کہاں طاؤس الملائکہ تھا اور کہاں فرمادیا کہ اب تم میرے دشمن ہو۔فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الحجر:34) (نکل جا،، دفع دور ہوجا، تو مردود ہے) آج تو ہم خود گناہ کرتے ہیں اور پھر بھی شیطان کا نام لگا دیتے ہیں، چلیں گنجائش ہے۔مگر جب شیطان نے گناہ کیا اس وقت تو شیطان کوئی نہیں تھا، اس کا اپنا نام عزازیل تھا۔اب بتایئے کہ عزازیل کو شیطان کس نے بنایا؟ اس کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اپنے نفس نے اس کو شیطان بنادیا۔ نفس ایسا ہے کہ اگر بگڑا ہوا ہو تو یہ طاؤس الملائکہ کو بھی شیطان بنادیتا ہے۔

ہمارا اصل دشمن:

اس لئے ہمیں شیطان سے زیادہ اپنے نفس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ رب کریم نے شیطان

کے متعلق فرمایا اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (النسآء:76) (کہ شیطان کا مکر اور اس کی تدبیر کمزور ہے) لیکن جہاں پر ایک انسان کے نفس کے بہکانے کا تذکرہ آیا وہاں فرمایا, اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمٌ (یوسف:28) اے عورتو! تمہارے تو مکر اور فریب بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں انسانی نفس کا تذکرہ آیا وہاں قرآن نے عظیم کا لفظ استعمال کیا اور جہاں شیطان کے مکر کا تذکرہ آیا وہاں ضعیف کا لفظ استعمال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ شیطان اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہمارا اپنا نفس اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتا۔ تو ہمیں تو یہی اندر کا بھیدی نقصان دیتا ہے۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے والا معاملہ ہوتا ہے۔ ہمارا اصل دشمن ہمارا اپنا نفس ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام نفس پر محنت کرواتے ہیں۔ کسی عارف نے کہا۔

نِہنگ و اَژدھا و شیر نَر مارا تو کیا مارا بڑے موذی کو مارا نفس اَمّارہ کو گر مارا

نفس کو مارنے کا مطلب:

نفس کو مارنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل سے خلاف شرع تمنائیں ختم ہو جائیں ''میں'' مر جائے۔ اسی کو کہتے ہیں نفس کو شریعت وسنت کی نکیل ڈال دینا ۔ یہ نفس کو تسخیر کر لینا ہے۔ یہ نفس کو فتح کر لینا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہم نفس کو تو فتح نہیں کر پاتے اور دنیا کو فتح کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے عہد کیا ہوا ہے کہ جی ہم دنیا کو فتح کریں گے۔ دنیا میں یہ لاگو کریں گے اور وہ لاگو کریں گے۔ ارے میاں! ذرا اپنے نفس پر تو لاگو کر کے دکھا دو۔ دیکھتے ہیں کہ آپ کی اپنے اوپر بھی حکومت ہے کہ نہیں ہے اور جس کی اپنی چھ فٹ کی ذات پر حکومت نہیں بھلا اللہ اس کو پوری زمین کی حکومت کیسے عطا فرما دیں گے۔

مقام تسخیر:

کہتے ہیں جی کہ مقام تسخیر نصیب ہونا چاہئے۔ یہ مقام تسخیر ان کو نصیب تھا جنہوں نے اپنے آپ کو مسخر کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے راستے ہموار کر دیئے تھے۔

عاجز اور فقیر کا لفظ:

ہمارے مشائخ نے "میں" کے لفظ کو اتنا ناپسند کیا کہ عام بات چیت میں بھی "میں" کا لفظ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ فقیر کا لفظ استعمال فرماتے تھے یا عاجز کا لفظ استعمال فرما لیتے تھے۔ بھئی ہم تو واقعی عاجز ہیں عاجز کا لفظ مجھے اچھا لگتا ہے۔ فقیر کا لفظ بھی اچھا لگتا ہے۔ فقیر کا تو اس لئے کہ پروردگار ہمیں کہہ رہے ہیں اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (فاطر:15) (اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو) اس لئے ہمیں تو اپنے آپ کو فقیر ہی کہلوانا چاہئے۔

لفظ "عاجز" کی تحقیق:

اور عاجز کا لفظ اس لئے استعمال کرنا چاہئے کہ فرمایا اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (سنن ترمذی ص ۶۳۸ ح ۲۴۵۹) عقلمند وہ ہے جو جانچ لے اپنے نفس کو اور اس کے لئے عمل کرے جو کہ موت کے بعد ہے، اور پھر آگے فرمایا کہ عاجز وہ ہے جس نے اپنی خواہشات کی اتباع کی۔ اگر حدیث کے ان الفاظ کو سامنے رکھیں تو عاجز کا لفظ ہمارے اوپر بالکل فٹ آتا ہے۔ مشائخ اپنے لئے عاجز کا لفظ اس لئے استعمال نہیں فرماتے کہ ان کے اندر عاجزی ہوتی ہے اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں بلکہ فرمان رسول ﷺ ان کی نظر میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہشات کا بندہ سمجھتے ہیں۔ خواہشات کا غلام سمجھتے ہیں اس لئے عاجز کا لفظ استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

بکری کا انجام:

خواجہ فضل علی قریشیؒ بہت سادہ باتیں فرماتے تھے۔ سبحان اللہ بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ایک بات ارشاد فرمائی۔ فقیرو! بکری میں میں کرتی ہے۔ کبھی دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر بکری کا حشر کیا کرتے

ہیں؟ گلے پر چھری چلتی ہے، ہڈیاں توڑی جاتی ہیں، بوٹیاں بنادی جاتی ہیں، آگ پر چڑھادی جاتی ہے، بتیس دانتوں میں چبائی جاتی ہے۔ یہ تو اس کے جسم کا معاملہ ہوگا۔ اور باقی کیا بچا؟ اس کی آنتیں بچ گئیں۔ فرمایا کہ ان آنتوں کو لوگوں نے خشک کیا اور کپاس دھننے کے لئے استعمال کیا۔ جس میں سے "مَیں مَیں" کی آواز نکلتی تھی اب جب اس کو ہلاتے ہیں تو اس میں سے "تو تو" کی آواز نکلتی ہے۔ یہ پہلے وقتوں میں ہوتا تھا۔ مگر آج تو روئی دھننے کے لئے مشینیں آچکی ہیں۔ پہلے وقتوں میں ایک تار ہوتی تھی اس کو جب ہلاتے تھے تو اس میں سے "تو تو" کی آواز نکلتی تھی۔ تو فرمایا، فقیرو! دیکھو، یہ بکری "میں میں" کرتی تھی پروردگار نے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ بالآخر اس میں سے "تو تو" کی آواز نکلی، لوگو! خود ہی "تو تو" کا لفظ نکال لو ایسا نہ ہو کہ تمہارے ساتھ بھی بکری جیسا معاملہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں:

میرے دوستو! ہم اپنی اوقات کو دیکھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کس قدر محتاج ہیں۔ اس پروردگار نے ہمیں اتنی نعمتوں سے نوازا کہ ارشاد فرمایا, وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم: 34) (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم شمار ہی نہیں کر سکتے)۔ وہ ہمیں صحت نہ دیتا تو ہم بیمار ہوتے، وہ عقل نہ دیتا تو ہم مجنون ہوتے، وہ مال نہ دیتا تو ہم غریب ہوتے، وہ ہمارے ہاتھ پاؤں ٹھیک نہ کرتا تو ہم لولے لنگڑے ہوتے، وہ ہمیں عزت نہ دیتا تو ہم ذلیل ہوتے، وہ اولاد نہ دیتا تو ہم لاولد ہوتے۔ یہ جو کچھ ہے یہ سب مولا کا کرم ہی تو ہے۔ یہ سب اسی کی مہربانیاں ہیں جو آج ہم اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

عزتوں بھری زندگی کا راز:

پروردگار کے حلم پر قربان جائیں کہ اس نے ہمیں برداشت کیا ہوا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفت ستاری کے صدقے جی رہے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ستاری کا معاملہ نہ فرماتا تو ہم تو چہرے دکھانے

کے قابل بھی نہ ہوتے۔ اگر گناہوں میں بو ہوتی تو شاید آج ہمارے پاس تو کوئی بیٹھنا پسند ہی نہ کرتا۔ یہ صفت ستاری کا صدقہ ہے کہ آج ہم عزتوں بھری زندگی گزار رہے ہیں۔

محاسبہء نفس کا طریقہ:

تصوف اپنے کو مٹا دینے کا دوسرا نام ہے۔ جب پوچھنا ہو تو اپنے آپ سے پوچھئے کہ میں نے تصوف میں کیا کچھ حاصل کیا؟ اس معیار پر اپنے آپ کو پرکھ لیجئے گا کہ میں نے اپنے آپ کو کتنا مٹایا.....!!!

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فرمان:

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ سالک اس وقت تک واصل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے آپ کو خسیس کتے سے بھی بدتر نہ سمجھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کتا اپنے مالک کا زیادہ وفادار ہوتا ہے جبکہ ہم اتنے وفادار نہیں ہیں۔

حضرت بلھے شاہ کا کلام:

حضرت بلھے شاہ فرماتے ہیں۔

راتیں جاگیں تے شیخ سڈاویں راتیں جاگن کتے تیں تو اتے
رکھا سکھا ٹکڑا کھا کے دنیں جا رکھاں وچ ستے تیں توں اتے
توں ناشکرا اتے پلنگاں تے اوہ شاکر روڑیاں اتے تیں تو اتے
در مالک دا مول نہ چھوڑن بھانویں مارے سو سو جتے تیں توں اتے
اٹھ بلھیا توں یار منا لے نئیں تے بازی لے گئے کتے تیں توں اتے

کتا اگر روڑی (کوڑا پھینکنے کی جگہ) پر سوئے تو بھی شاکر ہوتا ہے اور اپنے مالک کا شکوہ نہیں کرتا۔ لیکن ہم پلنگوں اور نرم بستروں پر سوتے ہیں اور اس کے باوجود اگر ہمیں کوئی ذرا سی تکلیف پہنچے تو ہم شکوے شروع کر دیتے ہیں۔

شیخ سعدیؒ کا فرمان:

میرے دوستو! جسے اپنے اندر خوبیاں نظر آئیں تو سمجھ لو کہ وہ برباد ہو گیا۔ اپنے آپ پر نظر پڑے تو خامیاں نظر آئیں اور جب رب پر نظر پڑے تو اس کی خوبیاں اور صفتیں نظر آئیں۔ اسی طرح دوسروں پر نظر پڑے تو ان کی خوبیوں پر اور اپنے اوپر نظر پڑے تو اپنی خامیوں پر۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

مُرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اَند رَز فرمُود بَر رُوئے آب

یکے آں کہ بَرخویشِ خود بیں مَباش دِگر آں کہ بَرغیر بدبیں مَباش

(میرے شیخ و مرشد شہاب نے دو لفظوں میں پوری بات کا خلاصہ سمجھا دیا۔ پہلا یہ کہ تم اپنے پر خود بیں نہ ہونا اور دوسرا یہ کہ کسی دوسرے پر بد بیں نہ ہونا)

آپ دیکھیں تو ہمارے اندر یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ ہم اپنے پہ خود بیں بھی ہیں اور دوسرے پر بد بیں بھی ہیں۔

ایک عجیب تاویل:

ہمارے سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ اگر دوسروں کی کوتاہی بھی سامنے آتی تو تاویل فرما لیتے تھے تاکہ حسن ظن باقی رہے۔ مگر اپنی خوبیوں کو بھی اپنی خامیاں ہی سمجھا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ایک مرید غفلت میں پڑ گیا۔ کسی عورت کے ساتھ اس کا تعلق بن گیا۔ ایک اور آدمی کو پتہ چل گیا۔ وہ اس سے پہلے ہی کچھ خار کھاتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اچھا موقع ملا ہے۔ میں حضرت کو جا کر حقیقت بتاتا ہوں۔ اس طرح اس کا تو پتہ ہی کٹ جائے گا۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے آ کر کہا کہ حضرت! آپ کا فلاں مرید زانی ہے۔ وہ تو بری حرکتیں کرتا پھرتا ہے اور اس کی فلاں فلاں چشم دید باتیں ہیں۔ جب اس

نے گواہیاں پیش کیں۔ بات بھی سچی تھی، پوری بھی ہوگئی تھی تو حضرت نے سن کر بالآخر فرمایا اچھا زنا کا مرتکب ہوا۔ مجھے لگتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی صفت مضل کی کوئی تجلی اس کے اوپر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ ہدایت بھی وہی دیتا ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے۔ یہ سن کر وہ آدمی حیران ہوا کہ میں تو بدظن کرنے آیا تھا اور حضرت نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا ہے۔

ابدال کا مقام کیسے ملا؟

حضرت بایزید بسطامیؒ ابدال کے مقام پر کیسے فائز ہوئے؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ اہل شہر نے کہا کہ کافی دن ہوئے ہیں بارش نہیں ہوئی، لگتا ہے کہ شہر میں کوئی ایسا گناہگار ہے کہ جس کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش کو روکا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ بایزید! اب تمہیں اس شہر میں رہنے کا کوئی حق نہیں، تم ہی وہ گنہگار ہو جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کو روکا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو پورے اہل شہر میں سے سب سے کمتر سمجھ کر شہر سے باہر نکل گیا۔ میرے مالک نے میری عاجزی کو قبول کر کے مجھے ابدال کا مقام عطا فرما دیا۔ سبحان اللہ۔

دیکھا، ہم ہوتے تو کہتے کہ میرے سوا سب گنہگار ہیں۔ سچی بات یہی ہے کہ جو اپنے کو کمتر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہی کو برتر بنا لیا کرتے ہیں۔

جہنم کی آگ حرام ہوگئی:

حضرت بایزید بسطامیؒ کے دور میں ایک آدمی فوت ہوا۔ کسی کو خواب میں نظر آیا۔ اس نے پوچھا سنایئے کیا معاملہ بنا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری بخشش کر دی۔ اس نے پوچھا، نیکیاں قبول ہوگئیں؟ کہنے لگا، نہیں، ایک چھوٹا سا عمل قبول ہوگیا۔ اس نے کہا کہ بتاؤ تو سہی وہ کونسا عمل ہے۔ کہنے لگا، ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ جا رہے تھے۔ میں ان کو پہچانتا جانتا نہیں تھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ

کا ایک ولی جا رہا ہے۔ میں نے ان کو اللہ کا ولی سمجھ کر دیکھا تھا۔ رب کریم نے فرمایا کہ تم نے میرے ایک پیارے کو میرا پیارا سمجھ کر دیکھا تھا، اس نگاہ کے بدلے ہم نے تم پر جہنم کی آگ حرام کر دی۔

سبحان اللہ, جب اپنے آپ کو اتنا کمتر سمجھا تو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ ان کے چہرے پر کوئی محبت کی نظر ڈالتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کی بھی مغفرت فرما دیا کرتے تھے۔

امام برحق کی پہچان:

ماضی قریب کے اکابرین کے چند واقعات بھی آپ کو پیش کر دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ عنوان بہت اہم ہے۔ لچھے دار تقریروں کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ اپنی اپنی جگہ پر بہت سنتے ہیں۔ وہ سن سن کر تو آپ سن ہو چکے ہیں۔ اب ایسی باتوں کی ضرورت ہے جو اندر کو جگائیں:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
آئینے میں دکھا کر تجھے رخ دوست زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

شیخ کا کام کیا ہوتا ہے؟ آئینے میں چہرہ دکھا دینا۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ (سنن ابی داود ص ۴۳۲ ح ۴۹۲۰) (مومن مومن کا آئینہ ہے)۔ گویا شیخ شکل دکھاتا ہے کہ حقیقت میں ہے کیا۔ کوئی آئینے پہ بھی غصہ کرتا ہے کہ اس نے میرے چہرے پہ میل کیوں دکھائی؟ یہ آئینے کا قصور نہیں، یہ تو اس چہرے کا قصور ہے جو میلا بنا پھرتا ہے۔

خواجہ فضل علی قریشیؒ کا مقام۔

یہ بات دل کے کانوں سے سنیئے گا۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ ایک مرتبہ محفل میں تشریف لائے اور فرمانے لگے فقیرو! لوگ متوجہ ہو گئے کہ حضرت کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ پھر فرمایا، فقیرو! اور پھر چپ ہو گئے

سوچتے رہے۔ بات شروع نہیں کی۔ اور سوچ کر کہنے لگے، ایک دفعہ میرے پیٹ کے اندر بہت ریح پیدا ہوگئی اور وہ نکلتی نہیں تھی۔ پیٹ میں شدت کا درد ہوا۔ حتی کہ میں تو زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا مجھے تو دن میں تارے نظر آنے لگ گئے، میری حالت غیر تھی۔ لوگ حیران ہوئے کہ پیر صاحب لوگوں کو متوجہ کر کے کیا قصہ سنا رہے ہیں۔ بھلا کوئی سناتا ہے کسی کو کہ میرے پیٹ میں ریح پیدا ہوگئی اور نکلتی نہیں تھی اور درد کی وجہ سے میں لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا۔ حضرت مزے مزے سے واقعہ سنا رہے تھے۔ فرمانے لگے کہ میری تو یہ حالت تھی لگتا تھا کہ شاید میری جان ہی نکل جائے۔ اتنے میں میرے جسم سے ریح خارج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے سکون عطا فرما دیا۔ لوگ حیران تھے ۔ پھر فرمانے لگے فقیرو! جو آدمی جسم سے گندی ہوا کے نکلنے کا محتاج ہو کیا وہ بھی کوئی بڑا بول بول سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت! وہ تو نہیں بول سکتا۔ فرمایا اچھا میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اب وہ بات بتائی جو ابتداء میں بتانا چاہتے تھے۔ فرمایا مجھے آج رات خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فضل علی قریشی! تو نے متبع سنت لوگوں کی ایسی جماعت تیار کی ہے کہ من حیث الجماعت اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی ایسی جماعت موجود نہیں ہے۔

سبحان اللہ! نبی اکرم ﷺ سے بشارت کیا ملی!!! مگر بتانے سے پہلے معاملہ ہی صاف کر دیا کہ کہیں عجب اور تکبر کی بات ہی نہ آئے۔ دیکھا، ہمارے مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں اتنی مقبولیت کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ بتا رہے ہیں کہ فضل علی قریشیؒ! جیسے متبع سنت لوگوں کی جماعت تو نے تیار کی ایسی جماعت اس وقت دنیا میں موجود نہیں مگر عاجزی ایسی کہ اس کو بتانے سے پہلے اپنے بارے میں ایسی بات کرتے ہیں تاکہ نفس کے اندر کوئی عجب اور تکبر پیدا نہ ہو جائے۔

دو راستے:

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی کوتاہی کو تسلیم کرنے میں شرمایا نہ کریں کیونکہ اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کرنا شیطان کا کام ہے اور اپنی غلطی کو مان لینا حضرت آدمؑ کی سنت ہے۔ اب ہمارے لئے دو راستے ہیں۔ کبھی گھر میں کوئی غلطی ہو جائے تو ناک اونچی رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کبھی میاں بیوی کی کوئی بات ہوتی ہے تو میاں چاہتا ہے کہ میں Win پوزیشن میں آؤں اور بیوی چاہتی ہے کہ میں Win پوزیشن میں آؤں۔ دوستوں یا رشتہ داروں میں بات چلے تو کہتے ہیں کہ ہم Win پوزیشن میں رہیں۔ یعنی ہم اپنے آپ کو ہمیشہ Win پوزیشن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ نہیں ہم حق کو سامنے رکھیں۔ اگر کبھی کوئی غلطی کوتاہی سرزد ہو جائے تو برملا تسلیم کرلیا کریں کیونکہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لینے میں عظمت ہوا کرتی ہے۔ یہ ہر آدمی کا کام نہیں ہوتا۔ خوبیوں کو اپنی طرف منسوب نہ کیا کریں۔ ہم خوبیوں والے کہاں؟ ہم تو خوبیوں والے بننے کے متمنی ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درس حدیث دے رہے تھے۔ دوران تدریس ایک جگہ ایسا اشکال وارد ہوا کہ اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو وہ تو ویسے ہی گول کر جاتا۔ پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلباء کو کیا پتہ، وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ بتائے یا نہ بتائے۔ مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ استاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو، جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلباء کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت ہوتی نہیں تھی۔ چنانچہ آپ نے طلباء کو برملا بتادیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے مگر اس کا حل سمجھ میں نہیں آرہا۔ کافی دیر تک طلباء بھی خاموش رہے اور حضرت بھی خاموش رہے۔ آپ بار بار اس کو پڑھ رہے ہیں۔ کبھی صفحے الٹ رہے ہیں اور کبھی اس کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں، مگر اس کا کوئی حل سمجھ میں

نہیں آرہا۔حتی کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے تو بات سمجھ نہیں آرہی، چلیں میں فلاں مولانا سے پوچھ لیتا ہوں یہ وہ مولانا تھے جو حضرت سے ہی دورۂ حدیث کر چکے تھے۔وہ حضرت کے شاگرد تھے۔اپنے شاگردوں کے سامنے ان کا نام لیا کہ میں ذرا ان سے پوچھ لیتا ہوں ۔ چنانچہ آپ اٹھنے لگے۔اتنے میں ایک طالب علم بھاگ کر گیا اور اس نے جا کر مولانا کو بتا دیا کہ حضرت آپ کے پاس اس مقصد کیلئے آرہے ہیں۔مولانا اپنی کتاب بند کر کے فوراً حضرت کے پاس پہنچے۔حاضر ہو کر عرض کیا، حضرت! آپ نے یاد فرمایا ہے۔فرمایا, ہاں مولانا! یہ بات مجھے سمجھ نہیں آرہی۔دیکھو کہ اس کا حل کیا ہے۔انہوں نے پڑھا اور سمجھ تو گئے مگر بات یوں کی ، حضرت ! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں یہ سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو اس وقت یوں حل فرمایا تھا اور آگے اس کا جواب دے دیا۔اب دیکھیں کہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا کہ جی میرا تو علم اتنا ہے کہ اب استاد بھی مجھ سے پوچھنے آتے ہیں۔ناں، ناں، وہ صحبت یافتہ تھے، تربیت یافتہ تھے۔اس کو کہتے ہیں تصوف اور یہ ہے مٹنا۔

مفتی محمد حسنؒ کی بیعت کا واقعہ:

جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ امرتسری حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔انہوں نے جب دارالعلوم سے پڑھا تو وہیں پڑھانے بھی لگ گئے۔حتی کہ حدیث کے اسباق مل گئے۔اب جو استاد دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاد ہوں ان کا علمی مقام کیا ہوگا۔ان کے دل میں بڑی چاہت تھی کہ میں حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو جاؤں۔اس سلسلہ میں کئی مرتبہ خطوط لکھے۔حضرتؒ ہمیشہ جواب میں فرماتے کہ مفتی صاحب! بیعت میں اصل مقصد تو محبت اور عقیدت ہے، وہ آپ کو پہلے ہی حاصل ہے تو بیعت کرنا کوئی ضروری تو نہیں ہے۔چنانچہ ٹال دیتے۔پھر خط لکھتے پھر ٹال دیتے۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار۔مفتی صاحب کے دل میں پھر ولولہ اٹھتا کہ میں بیعت کی نسبت حاصل

کروں ۔اگر کبھی اظہار کرتے تو حضرت یہی جواب ارشاد فرماتے ۔مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تھانہ بھون حاضر ہوا کہ میں نے حضرتؒ سے بیعت ہوئے بغیر واپس نہیں آنا۔ میں تو ان کا غلام بننا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ روز قیامت حضرتؒ کے خدام اور غلاموں کی فہرست میں میرا نام شامل کرلیا جائے ۔ یہ سوچ کر میں وہاں پہنچا اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت ! آپ مجھے بیعت فرمالیں ۔حضرت نے وہی پرانا جواب دیا کہ مفتی صاحب ! بیعت کوئی ضروری تو نہیں ہے۔فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، حضرت ! آج تو ضروری ہے، میں بھی دل میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ بیعت ہو کر جانا ہے۔ جب حضرت اقدس تھانویؒ نے بھی دیکھا کہ مفتی صاحب ڈٹ گئے ہیں تو حضرتؒ فرمانے لگے، مفتی صاحب ! تین شرائط ہیں بیعت ہونے کیلئے۔ آپ کو وہ تین شرائط پوری کرنا پڑیں گی۔

آج کے دور میں اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ بیعت ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں تو وہ مرید کہے گا کہ جی یہ تو بڑے متکبر پیر ہیں ، بیعت ہی نہیں کرتے ۔ دیکھو جی ہم گھر سے بیعت ہونے کیلئے چل کر آئے ہیں اور پیر صاحب نے آگے بیعت ہی نہ کیا۔ یہ کبھی نہیں سوچیں گے کہ ہماری تنبیہ ہوگی ، ہمارا علاج ہوگا ، ہمارے نفس کو دوا پلائی جائے گی ۔نہیں بلکہ آج اول تو پیروں کے پاس آتے ہی نہیں اور جب کبھی آتے ہیں تو پہلے آ کر اپنے حالات بتاتے ہیں اور پھر انکے جوابات کا مشورہ بھی دیتے ہیں کہ گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ حضرت میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے یہ مشورہ دیں۔ آجکل کے مریدین کا یہ حال ہے۔

خیر یہ تو ضمناً ایک بات آ گئی ۔حضرت نے فرمایا کہ مفتی صاحب ! آپ کو تین شرائط پوری کرنا پڑیں گی۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت ! میں پوری کرنے کیلئے تیار ہوں ۔فرمایا کہ پہلی شرط تو یہ ہے کہ آپ پنجابی زبان بولتے ہیں عام طور پر اس زبان کے بولنے سے حروف کے مخارج بگڑ جاتے ہیں، جب تک سیکھے نہ جائیں ۔لہٰذا آپ کسی اچھے قاری سے تجوید وقراءت کا فن سیکھیں ۔حتی کہ مسنون قراءت کے ساتھ

آپ پانچوں نمازیں پڑھا سکیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! میں حاضر ہوں۔ دوسری شرط کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ نے فلاں فلاں کتابیں ایک غیر مقلد عالم سے پڑھی ہیں اور غیر مقلدیت کے جراثیم آسانی کے ساتھ ذہن سے نہیں نکلتے۔ اب آپ یہ کتابیں دارالعلوم میں طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اساتذہ سے پڑھیں۔ شرط دیکھو کہ کیا لگائی۔ یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ آپ تنہائی میں کسی سے پڑھ لیں۔ مگر نہیں بلکہ فرمایا جس دارالعلوم میں آپ استاد حدیث ہیں اسی دارالعلوم کے طلباء کے ہمراہ جماعت میں بیٹھ کر استاد سے اسی طرح پڑھیں جس طرح طلباء پڑھتے ہیں تاکہ صحیح العقیدہ اساتذہ سے پڑھنے کی وجہ سے غیر مقلدیت کے اثرات زائل ہو جائیں۔ میں نے عرض کیا، حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔ پھر فرمایا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے اجازت دیں کہ میں پردے میں آپ کی اہلیہ کو قسم دے کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ سکوں۔ میں نے عرض کیا، حضرت مجھے یہ بھی منظور ہے۔

جب یہ بات نقل کی تو حضرت فرمانے لگے کہ حضرت نے تو تین شرطیں لگائی تھیں اگر چوتھی شرط یہ بھی لگا دیتے کہ روزانہ دوپہر تک تم نے بیت الخلاء کی بدبودار اور گندی جگہ پر بیٹھنا ہے تو میں اس شرط کو بھی قبول کر لیتا۔ مگر کیونکہ میں اپنے اندر کی بدبو سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ جب تمام شرائط پوری کر کے دکھا دیں تو اللہ رب العزت نے ان کیلئے نسبت کے راستے کو ہموار فرما دیا۔ اللہ اکبر

مولانا مفتی محمد حسنؒ کی بے نفسی:

حضرت مفتیؒ صاحب کے بیٹے مولانا عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم آجکل جامعہ اشرفیہ کے مہتمم ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اس عاجز کو بتایا کہ ابا جی کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ بوندا باندی شروع ہوگئی۔ اماں جی اٹھیں اور انہوں نے اپنی چارپائی کو برآمدے میں رکھ لیا اور ابا جی چونکہ پاؤں سے معذور تھے، چل پھر نہیں سکتے تھے لہٰذا مجھے والدہ صاحبہ نے جگایا۔

میں ہی بڑا بیٹا تھا اور میں ہی جوان العمر تھا۔ مجھے جگا کر کہا کہ بیٹا! اٹھو اور ابا جی کو صحن کی بجائے برآمدے میں لا کر لٹا دو۔ تم انہیں اٹھانا اور میں چارپائی برآمدے میں لا کر اوپر بستر کر دوں گی۔ میں نے اٹھ کر ابا جی کو اٹھایا جبکہ والدہ صاحبہ نے چارپائی برآمدے میں پہنچائی۔ میں نے جب ابا جی کو آ کر بستر پر لٹایا تو ابا جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مجھے فرمانے لگے, بیٹا! مجھے معاف کر دو, بیٹا! مجھے معاف کر دو, میری خدمت کی وجہ سے آپ کے آرام میں خلل آیا ہے۔ میرے آرام کی خاطر تمہیں بے آرام ہونا پڑا۔ سبحان اللہ, یہ ہوتی ہے بے نفسی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عاجزی:

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بات سنائے بغیر محفل کا مزہ ہی نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وعمل میں بہت ہی بلند مرتبہ عطا کیا تھا۔

اس دور میں شاہ جہاں پور انڈیا میں سال میں ایک مرتبہ تمام مذاہب کے لوگ اکٹھے ہوتے تھے اور اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ مسلمان علماء نے سوچا کہ ہم کن کو بلائیں۔ جب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا نام سامنے آیا تو سب مطمئن ہوئے کہ اچھا ہے کہ حضرت تشریف لائیں اور دین اسلام کی حقانیت پر بیان فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت سے رابطہ کیا۔ حضرت نے کہا کہ میں مباحثے سے ایک دن پہلے وہاں بذریعہ ٹرین پہنچ جاؤں گا۔ جب ان علماء نے یہ جواب سنا تو وہ مطمئن ہو گئے کہ چلو حضرت تشریف لے آئیں گے۔

جس دن حضرت نے آنا تھا اس دن لوگوں نے ان کے استقبال کی تیاریاں کیں اور اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ حضرت کی باطنی بصیرت کے واقعات مشہور تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ

فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (سنن ترمذی ص ۲۹۸ ح ۳۱۲۷) (مومن بندے کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) چنانچہ حضرت نے اپنی باطنی بصیرت سے بھانپ لیا کہ چونکہ لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع ہے ایسا نہ ہو کہ وہ استقبال کیلئے اکٹھے ہو جائیں۔ میں تو پہلے ہی بگڑا ہوا ہوں، میرا نفس کہیں اور نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ یہ سوچ کر آپ منزل سے ایک اسٹیشن پہلے ہی نیچے اتر گئے کہ میں اگلے شہر تک کا سفر پیدل طے کرلوں گا۔ تقریباً پانچ میل کا سفر بنتا تھا۔ آپ نے پیدل چلنا شروع کر دیا۔ ادھر جب ٹرین پہنچی تو لوگوں نے دیکھا کہ ٹرین میں تو حضرت تشریف نہیں لائے۔ بہت حیران ہوئے کہ کیا بنا۔ ان میں سے ایک بڑے عالم نے کہا کہ شہر کے مسافر خانہ یا ہوٹل سے معلومات حاصل کرو کہ کہیں وہاں آ کے ٹھہر نہ گئے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ہوٹلوں میں پتہ کیا تو وہاں بھی قاسم کے نام کا کوئی آدمی نہیں تھا۔ ایک ہوٹل میں خورشید حسن کا نام نظر آیا۔

ادھر جس اسٹیشن پر حضرتؒ اترے تھے وہاں سے اگلے شہر جب روانہ ہوئے تو راستے میں ایک نہر عبور کرنا پڑی۔ جب حضرت وہ نہر عبور کرنے لگے تو پاجامہ پانی میں بھیگ گیا۔ جب اس نہر سے باہر نکلے تو اس وقت کوئی خادم، کوئی شاگرد، کوئی رفیق سفر ساتھ نہیں تھا۔ اکیلے جا رہے تھے۔ سبحان اللہ، یہ دیوانہ اللہ کی محبت میں فنا ہو کر دین اسلام کا نمائندہ بن کر جا رہا تھا۔

جب آپ نہر سے باہر نکلے تو آپ نے اپنی چادر باندھ لی، پاجامے کو اتار لیا۔ ہاتھ میں چھڑی تھی۔ سفر کرنا بھی ضروری تھا۔ خشک کرنے کا انتظار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس چھڑی کو کندھے پر رکھ لیا اور اس کے پیچھے اپنا پاجامہ لٹکا لیا۔ دین اسلام کا نمائندہ اس فقیرانہ چال سے جا رہا ہے۔ لوگ استقبال کیلئے جمع ہیں اور یہ فقیر اللہ کی یاد میں مست اپنی منزل کی طرف چل رہا ہے۔ شہر پہنچ کر آپ نے خورشید حسن

کے نام سے ہوٹل میں ایک کمرہ بک کروالیا اور سوچا کہ آج آرام کرلوں، کل مباحثے سے پہلے میں متعین جگہ پر پہنچ جاؤں گا۔

دوسری طرف جب لوگ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہوٹل پہنچے تو خوشید حسن کا نام دیکھا۔ پہچان لیا کہ یہ حضرت ہی ہونگے۔ انہوں نے ہوٹل والے سے پوچھا کہ یہاں اس کمرے میں کون ہیں ؟ اس نے کہا کہ ایک مولانا ہیں۔ دبلے پتلے اور ہلکے پھلکے سے ہیں۔ انہوں نے کہا، بس وہی جو دیکھنے میں دبلا پتلا ہے وہ بَسْطَةً فِي الْجِسْمِ تو نہیں مگر بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ ضرور ہے اللہ تعالیٰ نے علم کے اعتبار سے اسے بڑا وزن عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت کے پاس گئے اور مل کر عرض کیا، حضرت! آپ یہاں پر ہیں اور ہم تو آپ کے استقبال کیلئے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں میں بھی اسی لئے یہاں آ گیا کہ آپ میرے استقبال کیلئے اسٹیشن پر گئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ حضرت یہ کیا فرمارہے ہیں۔ پھر حضرت نے ان کو عاجزی انکساری کا انمول درس دیا اور بڑی حسرت کے ساتھ اپنے بارے میں فرمایا کہ دو لفظ پڑھ لئے ہیں جس کی وجہ سے دنیا جان گئی ورنہ تو قاسم اپنے آپ کو ایسے مٹاتا کہ کسی کو نام کا بھی پتہ نہ چلتا۔

میرے دوستو! جب اپنے دل میں اپنے آپ کو مٹانے کی یہ کیفیت ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اوپر اٹھایا کرتے ہیں۔ آج جہاں تک علم کا نام رہے گا حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا نام بھی وہاں تک رہے گا۔

سبحان اللہ سبحان اللہ

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کی عاجزی:

ابھی حضرت ماسٹر نجم صاحب مجھے مجمع میں بیٹھے سامنے نظر آئے۔ ان کو دیکھ کر مجھے ایک بات یاد آ گئی۔

جو ایک مرتبہ انہوں نے سنائی۔ وہ خود اس کے چشم دید گواہ ہیں مگر ہم نے سنی ہے۔ چونکہ وہ بات موضوع سے متعلقہ ہے اس لئے آپ کو بھی سنا دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ماسٹر صاحب حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کی محفل میں خانیوال تشریف فرما تھے کہ اس وقت حضرت کے ایک مرید آئے۔ اس مرید کا تعلق ایسے علاقے سے تھا جہاں حضرت صدیقیؒ کے ایک اور پیر بھائی رہتے تھے۔ ان کو بھی اجازت وخلافت تھی اور وہ بھی بڑے شیخ تھے۔ حضرت بھی اپنے علاقے کے شیخ اور عالم تھے اور وہ بھی اپنے علاقے کے بڑے شیخ اور عالم تھے۔ میں اس وقت ان کا نام بتانا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب محفل میں وہ مرید حاضر ہوئے تو حضرت صدیقیؒ نے ان سے پوچھا کہ بھئی ! آپ آتے ہوئے فلاں شیخ سے مل کے آئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہاں، حضرت! میں مل کے آیا ہوں۔

یہ وہ دور تھا جب حضرت صدیقیؒ پر اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تھا۔ دنیا کی ریل پیل تھی۔ دنیا قدموں میں بچھی جاتی تھی۔ حضرت نے پوچھا کہ اچھا جب آپ مل کے آئے تو انہوں نے کیا فرمایا ؟ اس نے جھجکتے جھجکتے کہا کہ سلام بھی بھیجا ہے مگر حضرت نے پہچان لیا کہ یہ کوئی بات چھپا رہا ہے۔

پیر آخر پیر ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت، حضرت مرشد عالمؒ ایک مرتبہ کراچی میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحب آئے تو کسی نے کہا کہ حضرت ! یہ فلاں آدمی اس اس کام کے لئے آیا ہے۔ حضرتؒ نے غصے سے فرمایا، میں لعنت کرتا ہوں اس پیر پر کہ جس کے پاس مرید آئے اور اسے پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کس مقصد کیلئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو نور فراست عطا فرما دیتے ہیں۔

جب حضرت صدیقیؒ پہچان گئے کہ کوئی بات چھپا رہا ہے تو فرمایا کہ بتاؤ۔ اب وہ خاموش رہا۔ حضرت نے سختی فرمائی کہ بتاؤ اور من وعن اسی طرح بتاؤ کہ جس طرح بات پیش آئی۔ جب حکم دیا تو وہ صاحب بھی سیدھے ہو گئے۔ اور کہنے لگے ,حضرت ! جب میں ان سے ملا تو بتایا کہ میں حضرت صدیقیؒ کی

خدمت میں جارہا ہوں تو انہوں نے مجھے کہا کہ ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور یہ کہنا کہ دنیا اور آخرت دو بہنیں ہیں جو ایک نکاح کے اندر جمع نہیں ہوسکتیں۔ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ (النسآء:23) ۔ یہ بتا کر کہنے لگا، حضرت! مجھے تو بات کچھ بھی سمجھ نہیں آئی اس لئے میں نے کہنا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت نے جب یہ بات سنی تو رونا شروع کر دیا۔ کوئی ہم جیسا ہوتا تو ہم کہتے کہ بڑے زاہد بنے پھرتے ہیں، کیا ہمارے اندر دنیا کی محبت ہے، ہم بھی تو اللہ کی محبت میں دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہم اس کے سو جواب دے دیتے۔ مگر وہاں تو عاجزی تھی۔

حضرت صدیقیؒ کافی دیر تک سر جھکا کر روتے رہے ۔ بالآخر سر اٹھایا اور ایک ٹھنڈی سانس لیکر فرمایا، الحمدللہ ابھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ہماری اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔ سبحان اللہ، ہماری یہ حالت ہے کہ اگر کوئی ہمیں اصلاح کی بات کر دے تو توبہ، وہ تو گولی کی طرح لگتی ہے اور ہم ہر ممکن مخالفت پر اتر آتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عاجزی کا واقعہ:-

حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خانقاہ مسکین پور شریف میں دور دراز سے سالکین آکر قیام کرتے اور تزکیۂ نفس اور تصفیہ قلب کی محنت کرتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات جب فجر کے وقت قضائے حاجت کیلئے بستی سے باہر ویرانے میں جاتے تو واپسی پر کچھ خشک لکڑیاں بھی اٹھا کر لے آتے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی عادت شریفہ تھی کہ لکڑیوں کا بہت بڑا گٹھڑ اسر پر اٹھا کر لاتے۔ مقامی لوگ اتنا بڑا گٹھڑ دیکھ کر حیران ہوتے اور آپس میں طنز و مزاح کرتے۔ یہ باتیں کسی ذریعہ سے حضرت قریشیؒ کو پہنچیں تو حضرتؒ نے حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ کو بلا کر فرمایا، مولانا! آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر نہ لایا کریں، بس

تھوڑی سی لکڑیاں بھی لے آئیں گے تو کار خیر میں شرکت ہو جائے گی۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے عرض کیا، حضرت! مجھے اس میں کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی، میں اپنے شوق سے لے آتا ہوں۔ حضرت قریشیؒ نے فرمایا، مولانا! یہاں کے مقامی لوگ جاہل ہیں، یہ لوگ آپ کی قدر نہیں جانتے لہٰذا آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے پوچھا، حضرت! آخر کیا باتیں کرتے ہیں؟ فرمایا کہ مولانا! جب آپ اتنا بڑا گٹھڑ سر پر لا رہے ہوتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں، دیکھو پیر قریشی نے خراسان سے گدھا منگوایا ہے۔ حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ نے فوراً کہا، حضرت! یہ لوگ مجھے پہچانتے ہیں اسی لئے گدھا کہتے ہیں۔ سبحان اللہ، تواضع کا کیا عالم تھا

حضرت مولانا سعید احمد گوہانویؒ کی عاجزی:

حضرت مولانا سعید احمد گوہانویؒ حضرت احمد سعید قریشیؒ احمد پور شرقیہ والوں کے خلفاء میں سے تھے۔ یہاں بھی تشریف لاتے تھے۔ حضرت مولانا حکیم محمد یاسین صاحب دامت برکاتہم کے شیخ تھے۔ اس عاجز کو بھی چند ایک مرتبہ یہاں ان کے جوتوں میں بیٹھنا نصیب ہوا۔ اس وقت چھوٹی عمر تھی۔ تاہم زیارت نصیب ہوئی۔ وہ ایک مرتبہ جھنگ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان کی محفل میں جا کر بیٹھے تو وہ ایک مضمون بیان کر رہے تھے۔ کہنے لگے، فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ یہ سب خلفاء حضرات دل کے کانوں سے سنیں۔ علماء حضرات بھی دل کے کانوں سے سنیں۔ اساتذہ کرام بھی دل کے کانوں سے سنیں۔..... فرمایا، فقیرو تم تو بہت اچھے لوگ ہو کہ دین کی محبت میں یہاں پہنچے ہو۔ مجھے نیک سمجھتے ہو۔ اللہ والا سمجھتے ہو۔ اس حسن ظن کو لیکر تم یہاں آئے ہو، فقیرو! تم تو بہت اچھے ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ تم جنتی ہو۔ بار بار جنت کے تذکرے کئے۔ سوچنے والا سوچتا ہے کہ جی یہ تو جنت کی ٹکٹیں یہیں تقسیم ہونے لگیں۔ ہمارے جیسا کوئی بدگمان ہوتا تو ہم تو اٹھ کر ہی

آجاتے کہ جی یہ شیخ بھی کیا جو دنیا میں بیٹھے جنت کی ٹکٹیں تقسیم کر رہا ہے۔نہیں،بعض اوقات مشائخ بات اس انداز سے کرتے ہیں کہ حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب بار بار کہا کہ تم جنتی ہو تو آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ میں لکھ کر دینے کو تیار ہوں کہ تم سب جنتی ہو۔

یہ کہنے کے بعد فرمایا، ہاں! رہا معاملہ تمہارے پیر کا تو وہ کھٹائی میں ہے۔قیامت کے دن مجھے تو زنجیروں میں باندھ کر پیش کیا جائے گا۔میں جب تک ثابت نہ کر دوں گا کہ میں نے اس امانت کا حق ادا کر دیا ہے اس وقت تک میری زنجیروں کو نہیں کھولا جائے گا۔اللہ اکبر

میرے دوستو! اسے بے نفسی کہتے ہیں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف:6)

اللہ رب العزت ہمیں بے نفس ہو کر یہ کام کرنے کی توفیق نصیب فرما دے۔اللہ تعالیٰ ہماری میں کو مٹا دے اور ہمیں اپنی ذات میں فنائیت عطا فرما دے۔آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ